پنجاب سائمن کمیٹی کی رپورٹ پر تبصرہ

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ ھُوَالنَّاصِرُ

پنجاب سائمن کمیٹی کی رپورٹ پر تبصرہ

پنجاب کے تمام مسلم اخبارات میں اس وقت شور پڑ رہا ہے کہ پنجاب سائمن کمیٹی کے مسلمان ممبروں نے جس رپورٹ پر اپنے دستخط ثبت کئے ہیں' وہ مسلمانوں کے منافع کے خلاف ہے۔ چونکہ سائمن کمیشن کی آمد پر ہماری جماعت کی طرف سے بھی ایک میموریل پیش ہوا تھا۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس رپورٹ کے اس حصہ کے متعلق جو اس وقت زیر بحث ہے' اپنے خیالات ظاہر کروں۔

پچپن کی بجائے اکاون فیصدی

بیان کیا جاتا ہے کہ اس کمیٹی کے مسلمان ممبروں نے اس تجویز پر دستخط کئے ہیں کہ پنجاب کونسل میں کُل ایک سَو پینسٹھ ممبر ہوں جن میں سے ۸۳ ممبر مسلمان ہوں اور باقی ہندو' سکھ' مسیحی وغیرہ۔ اگر اس تجویز پر عمل کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو بجائے پچپن فی صدی کے اکاون فیصدی سے بھی کم ممبریاں ملتی ہیں۔

مسلمان ممبروں کی غلطی

مجھے پہلے سے یہ معلوم تھا کہ بعض لوگ مسلمانوں میں یہ تحریک کر رہے ہیں کہ اگر وہ اپنے مطالبہ کو کم کر کے مذکورہ بالا حد تک لے آئیں تو گورنمنٹ کے بعض اعلیٰ کارکن ان کے مطالبات کی تائید کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ میں نے جس وقت یہ بات سنی' اس وقت بھی اس کی مخالفت کی اور اب بھی اس کا سخت مخالف ہوں۔ اور میرے نزدیک پنجاب سائمن کمیٹی کے مسلمان ممبروں نے اس بات کو تسلیم کر کے سخت غلطی کی ہے' حقیقی بھی اور سیاسی بھی۔ اللہ تعالیٰ اس کے بد نتائج سے مسلمانوں کو

بچائے۔

اظہار رائے میں تاخیر کی وجہ

افسوس ہے کہ بوجہ سفر پر ہونے کے اردو اخبارات جو قادیان کے پتہ پر جاتے رہے تھے، مجھے دیر سے ملے اور سفر کی وجہ سے میں اس امر کے متعلق اس سے پہلے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرسکا۔ مگر میں سمجھتا ہوں موجودہ حالات میں میرا خاموش رہنا قومی مفاد کے مخالف ہوگا اس وجہ سے باوجود دیر ہونے کے میں اپنے خیالات کے اظہار سے نہیں رک سکتا۔

مسلمان ممبروں سے تعلقات

اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں مسلمان ممبران جو اس کمیٹی کے ممبر تھے، مجھے عزیز ہیں۔ ایک تو خود اس جماعت کے فرد ہیں جس کی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد فرمائی ہے اور میں ان کی بے نفسی اور دیانت پر ایسا ہی یقین رکھتا ہوں کہ جیسا اپنے نفس پر اور دوسرے صاحب یعنی سردار سکندر حیات خان صاحب چند ایک دفعہ کی ملاقات میں اپنی سعادت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا نقش میرے دل پر جما چکے ہیں۔ اور مجھے ان سے محبت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ جذبہ یک طرفہ نہیں۔ لیکن باوجود اس کے جو کچھ خدا تعالیٰ نے موجودہ صورت کے متعلق مجھے سمجھایا ہے اس کی بناء پر میں ان عزیزوں کی رائے کی علی الاعلان تغلیط سے باز نہیں رہ سکتا اور مجھے یقین ہے کہ جلد یا بدیر یہ دونوں عزیز اپنی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گے۔ گو مجھے شک ہے کہ ان کا ایسا اعتراف ہمیں کوئی فائدہ بھی دے سکے گا یا نہیں۔

اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کا اصل

آج سے آٹھ سال پہلے میں نے یہ اصل مختلف سیاسی لیڈروں کے سامنے پیش کیا کہ ممبریوں کی تقسیم کے متعلق یہ قاعدہ ہونا چاہئے کہ اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے ان کے حق سے زائد انہیں دیا جائے۔ بشرطیکہ کسی صوبہ کی اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہو جائے۔ اس اصل کو اَب عام طور پر مسلمان تسلیم کر چکے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ غیر اقوام کے غیر متعصب اصحاب بھی اس کی معقولیت سے انکار نہیں کرسکتے۔

مسلمان ممبروں کی تسلیم کردہ تجویز

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان ممبروں کی تسلیم کردہ تجویز اس اصل کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ گو انہوں نے ظاہر میں مسلمانوں کے لئے اکثریت کی تجویز کی ہے لیکن حقیقت میں وہ برابری ہے

بلکہ ہندوؤں کی دولت اور ان کے اثر کو دیکھتے ہوئے برابری سے بھی کم ہے۔ ایک سَو پینسٹھ (۱۶۵) ممبروں میں سے تراسی (۸۳) کے معنے یہ ہیں کہ ایک فی صدی کی زیادتی بھی مسلمانوں کو نہیں دی گئی۔ حالانکہ انہیں تعداد کے لحاظ سے دس فی صدی زیادتی حاصل تھی۔ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ایک سَو پینسٹھ میں سے ایک کی زیادتی' زیادتی نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی نظام ایسا مضبوط نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک آدمی کو بھی باہر نہ جانے دے اور اس تعداد کا تسلیم کر لینا کہ جس کی وجہ سے صرف ایک آدمی کے پھر جانے سے اکثریت اقلیت بن جائے' نہایت ہی خطرناک ہے۔ اس میں اخلاقاً بھی مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچے گا' کیونکہ دنیا کی نظر میں وہ اکثریت کے حقوق حاصل کر چکے ہوں گے اور اگر جیسا کہ ان حالات میں امید ہے انہیں نقصان پہنچا تو دنیا یہی کہے گی کہ جو باوجود اکثریت کے اپنے جائز حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے وہ خود ہی نالائق ہیں پارلیمنٹ کی تاریخ سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ چار پانچ فیصدی کی اکثریت بھی اکثریت نہیں سمجھی جایا کرتی اور ان حالات میں اکثر حکومتیں مستعفی ہو جایا کرتی ہیں۔ پس ایک فیصدی اکثریت ہرگز اکثریت نہیں ہے اور مسلمانوں کے تسلیم شدہ اور عقلاً ناقابلِ تردید اصل کو مسلم ممبران نے اپنی پیش کردہ تجویز سے بالکل ردّ کر دیا ہے۔

لفظی کثرت ہرگز ہمیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی۔ کثرت وہ کہلا سکتی ہے جو معقول حد تک مؤثّر ہو ورنہ لفظ کثرت اپنے اندر ہرگز کوئی ایسا جذب نہیں رکھتا کہ ہم محض اس کی خاطر ملک میں اختلاف پیدا کر لیں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں مسلمان ممبران کمیٹی کو بعض اصولی غلط فہمیاں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے ایسی سخت غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔

پہلی غلطی

اول ان کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ گورنمنٹ موجودہ صورت میں ان کی تائید کرے گی۔ پس اس خیال سے کہ ان کے مطالبات ضرور منظور ہو جائیں اور کم سے کم وہ اکثریت جو اب غیر مسلموں کو حاصل ہے دور ہو جائے' انہوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا حالانکہ انہیں یہ سوچنا چاہئے تھا کہ اس وقت یہ سوال نہ تھا کہ کیا منظور ہو گا یا نہ ہو گا' بلکہ قومی مطالبات کو پیش کرنا مطلوب تھا۔ پس خواہ گورنمنٹ ان کے مطالبات کی کسی قدر بھی مخالفت کرتی' انہیں چاہئے تھا کہ وہ اپنے مطالبات سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ ہوتے تاکہ ایک دفعہ مسلمانوں کے مطالبات ان کے نمائندوں کے ذریعہ سے ریکارڈ میں آ جاتے۔ اگر گورنمنٹ

انہیں تسلیم نہ کرتی تو اس کی مرضی تھی۔ ہمارے مطالبات پھر بھی موجود رہتے اور ہم ہر وقت ان پر زور دے سکتے تھے۔

دوسری غلطی دوسری غلطی انہیں یہ لگی ہے کہ انہوں نے اپنے متعلق یہ خیال کر لیا کہ وہ بطور جج کے اس کمیٹی کے ممبر بنے تھے اور اس وجہ سے جس طریق کے متعلق انہوں نے خیال کیا کہ اس سے سمجھوتے کی صورت نکل آئے گی اسے پیش کر دیا۔ حالانکہ وہ جج نہ تھے بلکہ وکیل تھے۔ اور ایک وکیل کی حیثیت میں ان کا فرض تھا کہ وہ ان لوگوں کے خیالات کی ترجمانی کرتے جن کے وہ وکیل تھے۔ دیانت اور امانت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وکیل اپنے مؤکّل کی ترجمانی کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اپنے عہدہ سے استعفاء دیدے۔

مسلمان ممبران ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمانوں کے لئے دروازہ کھلا ہے کہ وہ ان کے خیالات کی تردید کریں۔ اور یہ ظاہر کریں کہ انہوں نے مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی نہیں کی۔ بے شک مسلمانوں کے لئے یہ دروازہ کھلا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آئینی طرز حکومت میں عوام کی رائے کون سی سمجھی جایا کرتی ہے۔ آیا وہ رائے جو اس کے آئینی نمائندے ظاہر کرتے ہیں یا وہ رائے جو پبلک جماعتیں ظاہر کیا کرتی ہیں کونسلوں کے ممبر ہرگز اس امر سے ناواقف نہیں ہو سکتے کہ آئینی حکومت کے قیام کے بعد پبلک مجالس کی رائے کونسلوں کے نمائندوں سے بہت کم وزن دار خیال کی جاتی ہے۔ چنانچہ گورنمنٹ آف انڈیا متواتر اس امر کا اظہار کر چکی ہے کہ اسمبلی کے نمائندوں کی رائے کو ہم ملک کی رائے سمجھیں گے کیونکہ وہ منتخب شدہ نمائندے ہیں۔ پس ان حالات میں مسلمان نمائندے ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی رائے کو ذاتی رائے سمجھ لیا جائے۔ جن لوگوں کے پاس ان کی رائے جائے گی' وہ ہرگز اسے ذاتی رائے قرار نہیں دیں گے بلکہ ملکی مجالس کی رائے پر ان کی رائے کو ترجیح دیں گے اور اسے پبلک کی حقیقی آواز قرار دیں گے۔ لیکن انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ پبلک کی حقیقی آواز نہیں ہے۔ بلکہ جس حد تک بھی ہمارے ملک کے حالات کے مطابق پبلک کی رائے معلوم کی جا سکتی ہے' پبلک کی رائے ان کے خلاف ہے حتّٰی کہ اکثر ممبرانِ کونسل کی رائے بھی ان کے خلاف ہے۔ پس جبکہ گورنمنٹ برطانیہ نے آئینی دستور کے مطابق ان کی رائے ہی کو پبلک کی رائے قرار دینا تھا تو ان کا دیانتدارانہ فرض تھا کہ اگر پبلک کی رائے کے مطابق جو ان سے پوشیدہ نہ تھی' وہ رائے نہیں دے سکتے تھے تو ممبری سے استعفاء دے دیتے۔ اور اگر وہ پبلک

کی رائے کے ساتھ اختلاف نہیں رکھتے تھے یا شدید اختلاف نہیں رکھتے تھے تو ان کو چاہئے تھا کہ وہ پورے زور سے مسلمانوں کے مطالبہ کو پیش کرتے اور کسی دوسرے شخص کی بات کو قبول نہ کرتے۔ مگر افسوس کہ انہوں نے دونوں باتوں میں سے ایک کو بھی قبول نہ کیا۔

تیسری غلطی

تیسری غلطی جو ان صاحبوں کو معلوم ہوتا ہے یہ لگی کہ انہوں نے خیال کر لیا کہ جس قدر مطالبات کو کم کیا جائے' اسی قدر وہ معقول معلوم ہوں گے اور ان کے منظور ہونے کا زیادہ احتمال ہو گا۔ حالانکہ یہ اصل بالکل غلط ہے۔ یہ اصل صرف دیندار' خدا ترس لوگوں کے سامنے چلتا ہے۔ جو لوگ موجودہ سیاسیات کی دلدل میں پھنس رہے ہیں' وہ اس اصل کو نہیں جانتے۔ ان کے پیش نظر تو صرف یہ بات ہوتی ہے کہ جو مطالبہ بھی پیش کیا جائے' اس کے متعلق سودا کیا جائے۔ آپ اگر اپنے حق سے پچاس فیصدی بھی کم کر کے پیش کر دیں گے تو فیصلہ کرنے والا امن کو قائم رکھنے اور دونوں فریق کے خیالات سمونے کے نام سے انہیں اور کم کر دے گا۔ سکھوں پر لوگ ہنستے ہیں۔ لیکن انہوں نے نہایت عقلمندی سے کام کیا کہ تیس فیصدی کا مطالبہ کیا۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ان کا پروپیگنڈہ کامیاب ہوا تو وہ اس مطالبہ کی وجہ سے بیس فیصدی تو لے ہی لیں گے۔ اصل میں تو مسلمانوں کو پنجاب میں ساٹھ فیصدی کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا اور پورے زور سے اس پر قائم رہنا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کو ان کے حق کے قریب قریب مل جاتا۔ مگر اپنے حق سے تو ذرّہ بھر بھی کم کا مطالبہ ان کے لئے زہر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگر اس زہر کا ازالہ نہ ہوا تو جو انہوں نے مانگا ہے' وہ بھی ان کو نہ ملے گا۔

چوتھی غلطی

چوتھی غلطی مسلم ممبران کو یہ لگی ہے کہ انہوں نے پنجاب کے حالات کو مدنظر نہ رکھتے ہوئے یہ سمجھ لیا ہے کہ جب وہ علیحدہ نمائندگی کا مطالبہ کرتے ہیں تو انصاف چاہتا ہے کہ پھر وہ پورے حق کا مطالبہ نہ کریں کیونکہ یہ انصاف کے خلاف ہے کہ وہ قانون کے زور سے ایک زبردست اکثریت حاصل کر لیں۔ حالانکہ انہیں یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ اگر حالات علیحدہ نمائندگی کا مطالبہ نہیں کرتے تو خواہ مسلمان اس ذریعہ سے اقلیت کا ہی مطالبہ کرتے' یہ ناجائز ہوتا۔ لیکن اگر زبردست اقلیت کے اپنے پیدا کردہ حالات سے مجبور ہو کر تعداد کے لحاظ سے زیادہ' لیکن سیاسۃً کمزور اکثریت علیحدہ انتخاب کا صرف تھوڑے سے عرصہ کے لئے مطالبہ کرتی ہے تو یہ انصاف کے مخالف نہیں۔ بلکہ بالکل مطابق ہے کہ وہ اپنی تعداد کے

برابر نمائندگی کا مطالبہ کریں۔

پھر ایک اور بھی سوال ہے اور وہ یہ کہ اگر کچھ عرصہ کے بعد مسلمان مشترک انتخاب کو قبول کر لیں تو موجودہ مسودہ میں وہ کونسی شِقّ ہے جو اس امر کا دروازہ کھلا رکھتی ہے کہ اس وقت انہیں اپنی تعداد کے مطابق حق مل جائے گا۔ محض کمیٹی کے ذہنی خیالات تو اس وقت مسلمانوں کو نفع نہیں پہنچا سکیں گے۔

غلطی کے ازالہ کی صورتیں

کمیٹی کی تجویز کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرنے کے بعد میں اس امر کو لیتا ہوں کہ اب اس غلطی کا ازالہ کس طرح ہو سکتا ہے:۔

(۱) سب سے اول تو میرے نزدیک کمیٹی کے مسلمان ممبروں کا فرض ہے کہ جب انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان اکثریت ان کی اس تجویز کے مخالف ہے تو وہ ایک نوٹ لکھ کر کمیشن کو روانہ کر دیں کہ ہماری اس تجویز کو صرف ذاتی رائے قرار دیا جائے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مسلمان اکثریت اس کے مخالف ہے اور وہ مسلمانوں کے لئے ان کے حق کے مطابق نمائندگی کا مطالبہ کرتی ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ آئین دستور کے مطابق وہ اپنی قوم کے نمائندے سمجھے جاتے ہیں لیکن اس امر میں وہ قومی رائے کی نمائندگی نہیں کر رہے ہیں۔ پس اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ان پر واجب ہے۔ ان کا تقرر گورنمنٹ کی طرف سے نہیں بلکہ ان کی قوم کی طرف سے ہوا ہے اور قوم کے خیالات کے متعلق گورنمنٹ کو اگر غلط فہمی لگے اور وہ اس کا ازالہ نہ کریں تو وہ ایک بہت بڑی اخلاقی ذمہ واری کی ادائیگی سے قاصر رہیں گے۔

(۲) اگر وہ ایسا نہ کریں تو دوسرے مسلمان ممبران کونسل کو جو اس معاملہ میں رائے عامہ کی تائید میں ہوں ایک میموریل بنا کر اس کی ایک ایک کاپی گورنمنٹ پنجاب سائمن کمیشن اور اِنڈین سائمن کمیٹی کے پاس بھیج دینی چاہئے کہ اس سوال کے متعلق ہماری رائے میں ہمارے نمائندوں نے ہماری نمائندگی نہیں کی پس اس رائے کو ان کی ذاتی رائے سمجھا جائے۔ مسلمانوں کے نمائندوں کی کثرت اس تجویز کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی۔

(۳) مختلف سیاسی انجمنیں اور نمائندہ جماعتیں ایسے ریزولیوشن پاس کر کے مذکورہ بالا تینوں جماعتوں کو بھجوا دیں۔ جن میں کہ مسلمانوں کے خیالات کی اس بارہ میں صحیح ترجمانی ہو۔ لیکن چونکہ سیاسی انجمنوں کا صحیح طور پر انتخاب نہیں ہوتا اور وہ باوجود اپنے بڑے بڑے ناموں کے

صرف چند سو آدمیوں کی نمائندہ ہوتی ہیں، اول الذکر یا اگر اس پر عمل نہ ہو تو ثانی الذکر تجاویز زیادہ کار آمد ہوں گی۔ اگر مسلم نمائندوں نے اول الذکر تجویز کے مطابق عمل نہ کیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہماری جماعت اپنے خیالات سے مذکورہ بالا تینوں جماعتوں کو آگاہ کردے گی۔

ایک نہایت مفید تجویز

ایک اور تجویز ہے جس کے خلاف مسلمان اخبارات نے آواز اٹھائی ہے اور وہ کمیٹی کی یہ تجویز ہے کہ ایک حصہ مرکزی مجلس کا صوبہ جات کی کونسلوں کے توسط سے چُنا جائے۔ میں اس امر میں ان اخبارات کی رائے سے متفق نہیں۔ میرے نزدیک انہوں نے غور نہیں کیا کہ صوبہ جات کی کونسلوں کی خود اختیاری کو قائم نہ رکھنے کے لئے اور مرکزی مجلس کو اس کی حدود کے اندر رکھنے کے لئے یہ تجویز ایک نہایت مفید آلہ ہو سکتی ہے۔ ممالک متحدہ میں اس غرض کو پورا کرنے کے لئے سینٹ کام دیتی ہے۔ اگر کونسل آف سٹیٹ کا انتخاب اسی اصول پر نہ ہو تو کسی قدر تعداد اسمبلی کے ممبروں کی ضرور اسی طرح چُنی جانی چاہئے اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہے نہ کہ نقصان اگر اس تجویز پر عمل کیا گیا تو دوسرے ہندو صوبہ جات بھی مسلمانوں کے اس مطالبہ کی ہمیشہ تائید کریں گے کہ صوبہ جات کو کامل اندرونی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ ایسے ممبر صوبہ جات کی کونسل کے وکلاء کے طور پر ہوں گے۔ مگر یہ ایک جزوی سوال ہے، اس پر اس قدر زور دینے کی بھی ضرورت نہیں۔

مسلمان اخبارات سے خطاب

میں آخر میں مسلمان اخبارات کو اس طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا موجودہ اختلاف چاہتا ہے کہ ہماری آپس کی مخالفت خواہ کیسی پر زور ہو مگر اس میں نیتوں پر حملہ نہ ہو۔ اور اگر دل میں ہمیں یقین بھی ہو جائے کہ ایک شخص محض نیک نیتی سے کام نہیں کر رہا تو بھی قومی کاموں میں ایسے خیالات کے اظہار سے ہم حتی الوسع باز رہیں تاکہ بجائے فائدہ کے نقصان نہ ہو۔ اگر اس شخص کی نیت خراب ہو گی تو اس کا اندرونہ خود ظاہر ہو کر رہے گا اور خدا تعالیٰ اس سے گرفت کرے گا۔ لیکن اگر ہم اپنے اندازہ میں غلطی کریں گے تو یقیناً ہم گنہگار بنیں گے۔ پس ہمیں اپنی نکتہ چینی کو صرف ظاہر تک محدود رکھنا چاہئے اور دلوں کے اسرار کو نکالنے کی یا سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اگر اخلاقی اور مذہبی بناء پر ہم ایسا نہ کریں تو کم سے کم سیاسی مصلحت کے طور پر ہی اس طریق کو اختیار کرلیں۔ اس کے اختیار کرنے میں ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ بلکہ

بالکل ممکن ہے کہ اگر وہ شخص جس سے ہمیں اختلاف ہے' حد سے تجاوز نہیں کرجاتا تو اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو جائے اور ہماری خرابی کا موجب نہ بنے بلکہ ہمارا دست و بازو بن کر ہماری تقویت کا باعث ہو۔

ایک شُبہ کا ازالہ میں اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے اس شبہ کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جب میری اور جماعت کی رائے زیر بحث مسئلہ میں مسلمانوں کی کثرتِ رائے کے مطابق تھی تو کیوں چودھری ظفر اللہ خان صاحب نے اس کے خلاف رائے دی۔ سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ چودھری صاحب کو نہ میں نے کوئی ہدایت دی اور نہ دینی مناسب تھی۔ کیونکہ وہ میری طرف سے یا جماعت کی طرف سے نمائندہ ہو کر کمیٹی میں نہ گئے تھے۔ ہر ایک احمدی اگر اسے سچے طور پر مجھ سے اختلاف ہو' ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مجھ سے اختلاف رکھ سکتا ہے۔ ہاں اگر اختلاف ایسا ہو تا کہ جس پر عمل کرنا یا جس کا ظاہر کرنا تفرقہ' تشتّت' یا تباہی کا موجب ہوتا تو میرا حق تھا کہ میں قبل از وقت معلوم ہونے پر اس کے اظہار سے انہیں روک دیتا اور اگر وہ اخلاقاً اپنی موجودہ پوزیشن مین اس کے اظہار سے باز نہ رہ سکتے تو ان کا فرض ہوتا کہ وہ اس عہدہ سے استعفاء دے دیتے اور میں کامل یقین رکھتا ہوں کہ اگر ایسا موقع ہوتا تو چودھری صاحب ایسا ہی کرتے۔ مگر چونکہ یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوا' اس لئے ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ

(الفضل ۳۰۔ اگست ۱۹۲۹ء)